گیبریل گارشیا مارکیز کے ناول "تنہائی کے سو سال" کا تجزیہ

گل افشاں، پی ایچ۔ڈی اسکالر، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ
ڈاکٹر طاہر عباس طیب، استاد، شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

ABSTRACT:

Gabriel Garcia Marquez is a famous Latin American novelist, fiction writer, journalist and screenplay writer. He is one of the leading Spanish language authors. His novel "One Hundred Years of Solitude", published in 1967, has become popular all over the world. The first edition in Spanish sold out within a week, and it has been translated in about 30 languages. More than 25 million copies of it were sold out over the next 30 years. The author received the Nobel Prize in Literature in 1982.

Marquez is a prominent novelist who, with his creative talents, has skilfully knitted the social and political life of his society and human psychology and conditions in the fabric of events. He has not only delineated many aspects of the daily life of the Colombian natives, including mythological traditions, beliefs, omens and speculations, but has also presented the color of fantasy in the narrative of the story through supernatural elements. His creations have opened many doors of awareness in the world thought and literature. His literary writings are an important milestone.

Keywords: Gabriel Garcia Marquez, prominent writer, One Hundred Years of Solitude, social and political, Colombian natives

گیبریل گارشیا مارکیز(Gabriel Garcia Marquez)لاطینی امریکہ کے مشہور ناول نگار، افسانہ نگار، صحافی اور اسکرین پلے رائٹر جن کا شمار ہسپانوی زبان کے اہم مصنفوں میں ہوتا ہے۔ان کا ناول "ون ہنڈرڈ ایئرز آف سولیچیوڈ" (تنہائی کے سو سال) دنیا بھر میں خاصا مشہور ہوا ہے۔یہ ناول ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا جس کی کئی ہزار جلدیں فروخت ہوئیں۔ مصنف کو ادب کا نوبل انعام ملا۔وہ کافکا، جیمز جوائس، ولیم فاکنز اور ورجینا وولف کی تحریروں سے متاثر تھے۔مارکیز نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز زمانہ طالب علمی سے کیا بعد ازاں تعلیم ادھوری چھوڑ کر صحافت کا پیشہ اختیار کرتے ہوئے باقاعدہ ادب ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ان کی پہلی کہانی "تیسری مایوسی" (The Third Resignation) تھی۔جب کہ اہم تصانیف میں "پتوں کا طوفان"(Leaf Storm)، "کرنل کو

کوئی خط نہیں لکھتا"،(No One Writes To The Colonel)،"منحوس وقت" (In Evil Hours)،"سردار کا زوال"،(The Autumn of Patriarch)شامل ہیں۔

۱۹۶۷ء میں ہسپانوی زبان میں تحریر کردہ ان کا شہرہ آفاق ناول "Cien Anos De Soledad,"جس کا انگریزی ترجمہ " One Hundred Years Of Solitude "اور اردو میں اس کا ترجمہ (تنہائی کے سو سال) کے عنوان سے 'ڈاکٹر نعیم کلاسرا" نے کیا۔اس ناول کی شہرت کے سبب مارکیز کو نوبل انعام ملا۔جس کے بعد ان کے دیگر ناولوں کو بھی عالمی شہرت حاصل ہوئی جن میں "پیش گفتہ موت کی روداد"، Chronicle Of A Death Foretold))اور "ہیضے کے دنوں میں محبت" (Love In The Time Of Cholera)" قابل ذکر ہیں۔گارشیامارکیز اپنی تخلیقات میں ایک خاص قسم کا تنقیدی شعور رکھتے ہیں۔وہ حقیقت کے جامداور محدود وژن کو تخلیقی اعتبار سے ناپسند کرتے ہیں۔ان کا رویہ عالمگیر اور فکری ہے۔انہوں نے کولمبیا کی سیاسی وسماجی حقیقت کو موضوع بنایا۔ان کی تحریروں میں تخیل کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔اس حوالے سے امجد اسلام امجد لکھتے ہیں:

> "دور حاضر کا سب سے بڑا، محبوب اور عالمی سطح پر پڑھا جانے والا فکشن نگار گیبریل گارشیا مارکیز ۸۷ برس پر مشتمل ایک شاندار اور قابل رشک زندگی گزار کر اب اس منطق میں داخل ہو گیا ہے جہاں اس دنیائے فانی کی ہر چیز کے معنی بدل جاتے ہیں۔"(۱)

۱۹۲۸ء سے لے کر ۱۹۳۶ء تک کے ابتدائی برسوں میں مارکیز نے اپنا بچپن نانی اور نانا کے وسیع و عریض گھر میں بسر کیا ۔ وہ انہیں نت نئی کہانیاں سناتے تھے۔ان کہانیوں میں زندگی سے جڑی معاشرتی اور جنگی معرکہ آرائیاں شامل تھیں۔ان کے نانا کرنل نکولس لبرل پارٹی کی جانب سے اس جنگ میں شریک ہوئے جو ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۲ء کے دوران ہوئی اور اس کو "ہزار روزہ جنگ" کا نام دیا گیا تھا۔یہ وہ زمانہ تھا جب کولمبیا میں انتشار عروج پر تھا۔ناول میں جنگی ماحول کے ساتھ ساتھ مارکیز کی نانی کی یادوں کی بازگشت بھی سنائی دیتی ہے۔وہ نواسے کو طلسمی و مافوق الفطرت عناصر سے بھرپور کہانیاں سنایا کرتیں جن میں عام زندگی کے واقعات بھی ہوتے۔مارکیز خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے بیانیہ اسلوب پر ان کی نانی کی چھاپ ہے:

> "لکھنے کے ہنر کی طویل تربیت کے دوران جو ہستی سب سے بڑھ کر اور میری اولین مددگار ہوئی وہ میری نانی تھیں۔وہ مجھے انتہائی ہولناک قصے پلک جھپکائے بغیر یوں سناتی تھیں (۲)"۔

۱۹۳۶ء میں انہیں نانا کی وفات کے سبب اپنے والدین کے پاس واپس جانا پڑا۔مارکیز کی زندگی میں ان کی ماں کی حیثیت نمایاں رہی۔ لیکن ادب کا شوق انہیں والد سے ملا جو شاعر تھے۔ وہ ٹیلی گراف آپریٹر ہونے کے ساتھ پیانو بھی بجاتے تھے۔ لیکن وہ اپنے باپ کی نسبت اپنی ماں کے زیادہ قریب تھے۔

"کوئی بات ایسی نہیں جو ہم ایک دوسرے کو نہ بتا سکیں اور کوئی ایسا موضوع نہیں جس پر ہم گفتگو نہ کر سکیں۔۔۔جب میں تینتیس برس کا ہوا تو اچانک مجھے احساس ہوا کہ میرے والد کی عمر اتنی ہی رہی ہو گی جب میں نے انہیں پہلی بار نانا نانی کے گھر میں آتے ہوئے دیکھا تھا۔۔۔کچھ عرصہ پہلے انہوں نے ایک دوست کو بتایا کہ میں غالباً خود کو ایک ایسا چوزہ سمجھتا ہوں جو مرغے کی مدد کے بغیر پیدا ہو گیا ہے۔یہ بات انہوں نے خوش دلی سے کہی تھی اور اس میں حسِ مزاح کی جھلک بھی تھی لیکن یہ دراصل مجھے ایک نرم تنبیہہ کرنے کے لیے تھا کہ میں ہمیشہ اپنی ماں سے تو تعلقات کے بارے میں باتیں کرتا رہتا ہوں (۳)"۔

آراکاتا شہر کولمبیا کے شمالی ساحل پر کیریبین کے علاقہ سے وابستہ تھا۔اس علاقے میں بیسویں صدی کی ابتداء میں امریکی یونائیٹڈ فروٹ کمپنی بنی جس کے باعث ۱۹۱۲ء میں آراکاتا کی شہرت میں اضافہ ہوا۔ مگر جب کمپنی رخصت ہوئی تو اس علاقے کی معیشت تباہ ہو گئی۔۱۹۲۸ء میں شمالی کولمبیا کے قصبے سانتامارتا کے قریب فروٹ کمپنی کے مزدوروں کی ایک بڑی ہڑتال ہوئی اور بڑی تعداد میں قتلِ عام ہوا۔مارکیز نے اسے کھنڈر میں تبدیل ہوتے دیکھا تھا۔

گارشیا مارکیز قانون کی تعلیم حاصل کرنے بوگاتا چلا گیا۔وہاں کولمبیا میں تشدد کا آغاز ہوا اور ہزاروں افراد ہلاک ہوئے۔اس تشدد کی وجہ لبرل پارٹی کے رہنما "ہورخے گیتان" کا قتل تھا۔انہی ہنگاموں کے دوران مارکیز نے پڑھائی چھوڑ کر صحافت کا پیشہ اختیار کر لیا اور بطورِ صحافی چودہ اقساط پر مبنی کہانی لکھی جسے خاصی شہرت ملی۔ کہانی میں کولمبیا کی بحری فوجوں کی ذمہ داری اور منافق کرداروں کی نشاندہی کی جو عوام میں تنازعہ پیدا کرنے کا سبب بھی بنی۔کچھ عرصہ بعد 'ڈکٹیٹر روباس پنیلا' نے اخبار کی اشاعت بند کر دی۔ لیکن مخلوط حکومتوں کے اقتدار کے باوجود کولمبیا میں انتشار کا خاتمہ نہ ہو سکا۔مارکیز بے روزگاری اور کسمپرسی کے دن گزارے۔انہوں نے بوگاتا میں کیوبن نیوز ایجنسی قائم کی اور ہوانا میں کام کرنے کے ساتھ کئی فلموں کے اسکرپٹ بھی لکھے۔کولمبیا کے سیاسی حالات نے ان کی ادبی شخصیت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔۱۹۴۸ء میں لبرل پارٹی کے رہنما اور صدارتی امیدوار "ایلئیر گائیتیان" کے قتل کے بعد ملک میں ابھرنے والے سیاسی حالات نے مارکیز جیسے حساس انسان پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ وہ عالمی صورتحال سے

آگہی رکھنے والا ہوش منداد یب اور سماجی فرد تھا۔ کولمبیا کی سیاست ،ان کا خاندان اور تنہائی یہ سب چیزیں مارکیز کی تخلیقات کا محرک ثابت ہوئیں۔ نانا کی معرکہ آرائیوں اور نانی کی مافوق الفطرت عناصر سے بھرپور قصہ گوئی نے "تنہائی کے سو سال" جیسا ادبی شاہکار تصنیف کرایا۔ اس ناول میں شامل بہت سے کرداروں کا تعلق مارکیز کے اپنے خاندان سے ہے۔

انسانی زندگی اپنے گرد و پیش کے ماحول اور تہذیب کی عکاس ہے۔ خصوصاً ایک ادیب کی تخلیقات اسکے عہد کے سیاسی و سماجی رجحانات کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ ادیب چوں کہ حساس طبعیت کے مالک ہوتے ہیں اس لیے ان کی تخلیقات میں ان تمام رویوں کی عکاسی ہوتی ہے جن سے ادیب کسی نہ کسی سطح پر متاثر ہوتا ہے۔ یہ ایک فطری حقیقت ہے کہ سیاست ہمارے معاشی و سماجی حالات کا تعین کرتی ہے۔ مارکیز کی تخلیقات میں لاطینی امریکہ کے سیاسی، سماجی و معاشی رویوں اور حالات کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔

ناول "تنہائی کے سو سال" کا بنیادی موضوع امن ہے۔ اس میں جنگ کی تباہ کاریوں، کمزور ہوتے ہوئے انسانی رشتے اور پامال ہوتی ہوئی انسانیت کی داستان نمایاں ہے۔ یہ ایک ایسی پسماندہ و ویران بستی ماکوندو کے گرد گھومتا ہے جسے جنگ نے ویران بنا دیا ہے۔ مصنف نے معروف لاطینی طرزِ ادب میجیکل فکشن کے ذریعے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ جنگ کس طرح بربادی کی داستانیں رقم کرتی ہے اور انسان میں یاسیت اور تنہائی کو جنم دیتی ہے۔ انسان نا صرف مروجہ اخلاقیات کی حدیں پھلانگ جاتا ہے بلکہ اس کے اندر کی وحشت، درندگی اور بربریت عود آتی ہے۔ ناول میں جنسی پہلو بھی موجود ہے۔ اس میں بوئندا خاندان کی چار نسلوں کی سو سالہ تنہائی اور شب خوابی کو پیش کیا گیا ہے۔ خاندان کے تقریباً تمام کردار دلچسپ اور مانوس دکھائی دیتے ہیں جو قاری کو اپنے ارد گرد گھومتے دکھائی دیتے ہیں۔

یہ بوئندا خاندان کی کہانی ہے جو ماکوندو نامی ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ جس کی بنیاد جوزے آرکیدو بوئندا اور اس کی بیوی ارسلا نے رکھی تھی۔ ارسلا اور جوزے آرکیدو بوئندا آپس میں رشتے دار تھے اور ان کی شادی کی پیشن گوئی پہلے سے ہو چکی تھی۔ لیکن ان کے خاندان میں آپس کی شادی کے نتیجے میں "اگوانے" پیدا ہونے کی تاریخ موجود تھی۔ یہ ایسے بچے تھے جن کے پیچھے دم تھی۔ تاہم اگوانوں کی پیدائش کا خوف ارسلا اور جوزے آرکیدو بوئندا کی محبت میں رکاوٹ نہ بن سکا اور ان کی آپس میں شادی ہو جاتی ہے۔ شادی کے بعد جوزے کے ہاتھوں ایک قتل ہو جاتا ہے، مقتول جوزے اور ارسلا کے حواسوں پر اس قدر حاوی ہو جاتا ہے کہ وہ دونوں اس جگہ سے منتقلی کا ارادہ باندھ کر بہتر مستقبل کی تلاش میں نئی منزل کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ ایک رات جوزے آرکیدو نے ایک ایسی بستی کا خواب دیکھا جو شیشوں کی بنی ہوئی تھی اور اس سے دنیا کا عکس جھلکتا تھا۔ وہ اس بستی کو بسانے کا ارادہ کرتا ہے، تاہم کئی دن تک بھٹکنے کے

بعد اس کو سمجھ آئی کہ ایسی بستی صرف خوابوں میں ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ جوزے آرکیدو بوئندا نے ایک نئی بستی کی بنیاد رکھی، جہاں اس کی اگلی نسل کی پرورش شروع ہوئی۔ یہ خاندان ابتداء ہی سے عجیب و غریب حالات کا شکار رہا، اور خاندانی بدنصیبی نے یہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔

ناول کا موضوع تنہائی ہے۔ یہ تنہائی کسی ایک شخص کی نہیں بلکہ پورے سماج کا احوال پیش کرتی ہے، یہ تاریخی بھی ہے اور ثقافتی بھی۔ اس میں زمان و مکان کے سانچے ٹوٹ کر رہ جاتے ہیں۔ وقت سیدھی لکیر کے بجائے دائروں میں بڑھتا دکھائی دیتا ہے۔ ناول میں چار نسلوں کی کہانی کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ، جہاں نہ تو وقت کا کوئی تعین ہے اور نہ ہی کوئی نشان نظر آتا ہے۔ سو سال کے الفاظ سے قاری غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے کہ ناول سو سالوں پر محیط ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ البتہ تنہائی ضرور جوزے آرکیدو بوائندا کی کئی نسلوں کو گھیرے ہوئے ہے۔

اس ناول میں کئی موضوعات ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ موت، پیار، نفرت، جنگ، امن، جوانی، بڑھاپے کے ساتھ ساتھ ناول کی خوابناک فضا قاری کے باطن کو سلگانے کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ وہ ہر قدم پر حیرت سے دوچار ہوتا ہے۔ یہ حیرت حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کے انوکھے پن سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ یہ ناول بڑے کینوس پر متشکل اعلیٰ مقاصد کی حامل ایک سنجیدہ تحریر ہے۔ لاطینی امریکہ میں لبرل پارٹی اور کنزرویٹو پارٹی کے درمیان جنگ چلتی ہے اور جب آرلیانو بوئندا کے ہاتھ میں آتی ہے تو اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے عزیز دوست کرنل گرینلڈو مارکیز کو بھی اختلافات کی بنا پر موت کی سزا دیتا ہے۔

> "کرنل آرلیانو بوئندا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم جس چیز کی خاطر لڑ رہے ہیں وہ محض طاقت کا حصول ہے۔" یہ تو محض ڈرامہ ہے۔ "لیکن اصل بات کی بنیاد کو اور پھیلانا ہے۔ مضبوط کرنا ہے۔"۔۔۔ سیاسی مشیر۔۔۔ یہ تضادی بیان ہے۔ اگر آپ یہ باتیں تسلیم کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ کنزرویٹو سرکار ٹھیک کام کر رہی ہے اگر ہم جنگ پاپولر بنیادوں پر پھیلاتے ہیں تو یہ بات بھی تسلیم کرنا پڑے گی کہ موجودہ حکومت پاپولر بنیادوں پر قائم ہے اور پھر یہ بھی مانیں کہ ہم بیس سال سے قوم کے جذبات سے کھیلتے رہے ہیں۔"۔۔۔ کرنل بوئندا نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔۔۔ اصل اور اہم بات یہ ہے کہ ہم صرف اقتدار اور طاقت کے حصول کی خاطر لڑیں گے۔۔۔ "کرنل معاف کرنا" کرنل گرنیلڈو مارکیز نے نرم لہجے میں کہا۔ "یہ تو غداری ہے۔۔۔ دو دن بعد کرنل گرینلڈو مارکیز کو موت کی سزا سنا دی گئی۔"(۴)

کرنل گرینلڈو مارکیز کا کردار ڈکٹیٹر شپ کے خلاف ہے اور وہ ایسے سرمایہ دارنہ نظام کے حق میں بھی نہیں جہاں ترقی یافتہ ممالک استحصال کرتے ہیں۔ مارکیز لاطینی امریکہ میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے امن کا خواہاں ہے، اقوام کو متحد کر کے آمریت کے خلاف نعرہ بلند کرنے کا متمنی ہے۔ وہ سیاسی تبدیلی کا خواہاں ہے جو بلا تشدد لائی جاسکتی ہے۔ "تنہائی کے سو سال" میں ہمیں وقت کی تباہ کاریاں اور تقدیر کا جبر بھی دکھائی دیتا ہے۔

یہ ناول آج عالمی کلاسیک کا درجہ اختیار کر چکا ہے جس کا اسلوب سادہ اور رواں ہے۔ اس ناول کا دنیا کی کئی بڑی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ مارکیز کے اسلوب میں تاریخ، تہذیب اور معاشرت کے بارے میں جو مثبت شعور و آگہی موجود ہے اُس کے سوتے ادب کے وسیع مطالعہ سے پُھوٹتے ہیں۔ اُس کی تخلیقی فعالیت میں کلاسیکی اور جدید ادب کی اقدار و روایات کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ مارکیز نے اپنے تزکیۂ نفس کے لیے جو طرز اختیار کیا وہ اُس کی پہچان بن گیا۔ اُس کا اسلوب اُس کی ذات کی صورت میں بصیرت کا اثبات ہے۔ موضوعات کے اعتبار سے اِس میں تانیثیت، استعماری نظام کی مخالفت، دیہی تہذیب و معاشرت اور جسم فروش رذیل طوائفوں کے جنسی جنون کی کہانیاں ہیں جن میں حقیقت اور فطرت نگاری پر توجہ دی گئی ہے۔ ڈاکٹر امجد طفیل لکھتے ہیں:

> "مارکیز کے اُسلوب کا ایک امتیاز یہ ہے کہ وہ فرد کے خارج و باطن سماجی سیاسی اور شخصی سطحوں کو ایک دوسرے میں یوں گوندھتا ہے کہ ایک پیچیدہ متن تشکیل پاجاتا ہے۔ مارکیز کی فنی پختگی بیان پر اُس کی گرفت کو مضبوط رکھتی ہے، جس سے مختلف فکری سطحیں ایک دوسرے میں یوں مدغم ہوتی ہیں کہ وہ اپنے اپنے امتیازات کو قائم بھی رکھتی ہیں اور ایک بڑے دائرے میں ایک دوسرے میں تحلیل بھی ہو جاتی ہیں۔"(۵)

ناول کے اہم کرداروں میں بوئندا خاندان کے کئی افراد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کرداروں کے ناموں کو سمجھنے اور یاد رکھنے میں قاری دشواری کا سامنا کرتا ہے۔ اس ناول میں بوئندا خاندان کی چار نسلوں میں وہی نام دہرائے جاتے ہیں۔ نام ذہن نشین کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے البتہ اس تکرار سے قاری کچھ الجھاؤ کا شکار بھی ہوتا ہے۔ بقول مارکیز:

> "یہ لاطینی امریکہ کا ایک نہایت مخصوص رواج ہے کہ ہمارے نام دادا کے نام پر رکھے جاتے ہیں اور میرے خاندان میں تو یہ رواج لغویت کی اس سطح کو پہنچ چکا ہے کہ خود میرے بھائی کا نام بھی وہی ہے جو میرا ہے۔"(۶)

ناول کا سب سے زیادہ مضبوط کردار جوزے آرکیدو بوئندا کی بیوی ارسلا کا ہے۔ وہ نفسیاتی، سماجی، ثقافتی اور معاشی طور پر اپنے گھر اور اہل خانہ کا خیال کرتی ہے اور زمانے کی صعوبتوں کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کی بجائے ڈٹ کر مقابلہ کرتی

ہے۔ان کے علاوہ ملکیادیس نامی خانہ بدوش ہے جو کہ پوری دنیا کے متعدد چکر کاٹنے کے بعد اپنے دوست جوزے آرکیدو بوائندا کے گھر بسیرا کرتا ہے اور تاحیات وہیں رہتا ہے۔تاش کے پتوں کے ذریعے قسمت کا حال بتانے والی پیلانترا جو ڈیڑھ سو برس سے بھی طویل عمر گزارتی ہے، بوئندا خاندان کے دو بیٹوں کو جنم دیتی ہے اس کا انجام بھی مارکیز نے کمال مہارت نگاری سے پیش کیا ہے۔عمران ازفر کے نزدیک:

"فلیش بیک تکنیک سے جہاں ایک طرف ناول کو دل چسپ بنایا گیا ہے وہیں دوسری طرف کرداروں کے ہاں ایک خاص طرح کی ناسٹلجیا کی کیفیت قاری کو بھلی محسوس ہوتی ہے۔جادوئی حقیقت نگاری کے ذریعے سے واقعات اور کرداروں کے باہمی تال میل سے کہانی کے معنی کو وسعت دی گئی ہے۔سامراجیت کے حوالے سے کولمبین عوام کا بدلتا ہوا شعور لبرل پارٹی کے توسط سے ناول کو سماجی حقیقت نگاری کا تخلیقی پرتو بناتا ہے۔"(۷)

مارکیز نے تحریروں کا موضوع اور اسلوب دونوں ہی اپنے خاندانی پس منظر سے اخذ کیے ہیں۔انہوں نے اپنے ناول میں موجود حقیقی افراد کا حوالہ دیا ہے۔ان کے کردار اور حالات وواقعات ان کی زندگی کے حقیقی کردار وواقعات دکھائی دیتے ہیں۔ناول ان کے عہد کی تہذیب، ثقافت، ان کے ذاتی تجربات، تخیل اور تخلیقی فکر کا آئینہ دار ہے۔وہ اپنے ارد گرد کے ماحول سے حاصل شدہ مسحور کن تجربات کو اپنے تخلیقی شعور کا حصہ بنا لیتے ہیں۔وہ یادوں کی بازیافت کے ساتھ ماضی میں نہیں جیتا بلکہ انہیں حال کے سے ساتھ ہم آہنگ کرنے کا ہنر جانتا ہے۔اس کی تخلیقات مصنف کے تنقیدی شعور کی ترجمان ہیں۔وہ حقیقت کے جامد وژن کو تخلیقی اعتبار سے ناپسند کرتا ہے۔وہ انسان کا سماج کے ساتھ حقیقی تعلق جاننے کا متمنی ہے۔کولمبیا کے لوگوں کی فطرت میں جو روایات، عقائد، اساطیر، شگون، وہم اور قیاس آرائیاں شامل ہو چکی ہیں وہ انہیں مستند حقیقت مان کر بیان کرتا ہے۔سیدہ عطیہ لکھتی ہیں:

" وہ کولمبیا کی سیاسی استبداد، اور ملک کی سیاسی و سماجی حقیقت کو موضوع بنانے کی بجائے پوری موجودہ اور آئندہ دنیا کی حقیقت کو منعکس کرنا چاہتا ہے۔"(۸)

طلسماتی حقیقت نگار عام طور پر اپنی کہانیوں میں متاثر کن صورت حال اور کیفیت پیدا کرنے کے لیے روایتی دیومالائی قصوں اور کہانیوں سے مواد حاصل کرتے ہیں۔تخلیق کار کہانی کو اس نہج سے موڑتا ہے کہ واقعات کے بیان میں پڑھنے والا ماضی کے ساتھ رابطہ رکھنے پر مجبور ہوتا ہے۔مارکیز طلسماتی اسلوب اور حقیقت نگاری سے متعدد عددی حقائق کا سہارا لیتا ہے اور مستند حوالوں کے ذریعے وہ فینٹسی سے دور ایک جیتی جاگتی حقیقت پیش کرتا ہے۔مصنف نے مافوق الفطرت عناصر کو خوبصورتی سے حقیقت سے ملایا ہے۔یہ ناول آج بھی جادوئی حقیقت نگاری کے کلیدی کاموں میں شمار کیا جاتا

ہے۔ پیلی تتلیوں کا کرداروں کے اوپر منڈلانا، خوبصورت ریمیڈیوس کا آسمانوں کی جانب اڑ جانا، کرداروں کے ایک دوسرے کے خواب دیکھنا وغیرہ۔ ناول کا ایک منظر ملاحظہ کریں:

"شیٹ اس کے ہاتھ سے کھنچی جا رہی تھی۔ اس نے شیٹ پکڑنے کی کوشش کی کہ کہیں زمیں پر گر نہ جائے۔ جس کو تھامے شہزادی ریمیڈیس فضا میں بلند ہو رہی تھی۔ ارسلا اس وقت تک اندھی ہو چکی تھی لیکن وہ اس پُراسرار جھونکے کو محسوس کر کے شانت ہو گئی۔ اس نے شیٹیں ہوا اور روشنی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔ شہزادی ریمیڈیس درختوں سے اوپر پھڑ پھڑاتی شیٹوں کے درمیان ہاتھ ہلاتی فضا میں اٹھتی جا رہی تھی۔"(۹)

مارکیز نے اس طرح کے کئی دلچسپ واقعات قلم بند کیے ہیں جن کا تعلق طلسماتی حقیقت نگاری سے ہے۔ یہ ناول مختلف ادوار کی حقیقت کو تخیل کی آمیزش سے گوندھا گیا ہے۔ اشولال لکھتے ہیں:

"پوسٹ کالونیل دور کی مقامی لٹریری روایتوں میں لاطینی امریکہ کی لٹریری روایت ایک طاقت ور روایت کے طور پر ابھرتی ہے جسے مائکل ووڈ "ادبی فراوانی" کا دور کہتا ہے۔۔۔۔ اس میں "بورخسس" اور "گارشیا مارکیز" کے نام قاری کے لیے نئے نہیں ہیں ۔۔۔۔ "ڈان کہوٹے" کے بعد خاص کر گارشیا کے لیے اپنے قاری کی یہ فتح اس کے ناول "تنہائی کے سو سال" کا نتیجہ ہے۔۔۔ جسے پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے یہ آپ کی بستی کی کہانی ہو۔"(۱۰)

یہ ایک ایسی بستی کی کہانی ہے جو کہ جدید سماج اور دنیا سے بچھڑ چکی ہے۔ یہ بیس مکانوں اور چند سو لوگوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا سماج ہے، ان کی اپنی دنیا، اپنی طرز معاشرت، اپنی روایات اور اعتقادات ہیں۔ بستی کے لوگوں میں اس وقت تحیّر کی لہر دوڑ جاتی ہے جب خانہ بدوش نت نئی ایجادات اس پسماندہ بستی میں لے کر آتے ہیں۔ کبھی وہ لوگوں کو مقناطیس، تو کبھی برف کی سل سے، کبھی عجیب و غریب محدب عدسہ لا کر انکی حیرت کو دو چند کر دیتے ہیں۔ جوزے ارکیدو بوئندا جو کہ خود کو سائنسدان سمجھتا ہے اس کی ایک خود ساختہ لیبارٹری بھی ہے۔ اسے یقین ہے کہ وہ ایک دن زمین سے سونا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا اور کبھی محدب عدسے کے ذریعے ملکی دشمن کو جلا کر خاک کر دے گا، مختصر یہ کہ وہ خیالوں کی دنیا میں مگن رہتا ہے، اسے گھر اور بچوں سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اسکی بیوی ارسلا اسکی متلون مزاجی سے خائف رہتی۔ وہ تنہا گھر کا نظام سنبھالتی ہے۔ ان کے تین بچے ہیں لیکن اس کی نسل انکے بیٹوں کے ناجائز بچوں کے ذریعے آگے بڑھتی ہے۔ اس خاندان کا ہر فرد عام انسان سے زیادہ جسمانی و جنسی طور پر طاقتور اور

متحرک نظر آتا ہے۔ جوزے ارسلا کی جمع پونجی کو بھی اپنے تجربات کی نظر کر دیتا ہے اور ارسلا کے پاس سوائے ماتم کے اور کوئی چارہ نہیں۔

> "انہوں نے گلی میں کاہ کا ڈھیر لگایا اور محدب عدسہ کی مدد سے شعاعوں کو مرتکز کر کے آگ لگا دی۔ مقناطیس کی ناکامی کے بعد جوزے آرکیدو بوئندا مایوس تھا۔ اس کے ذہن میں اس ایجاد کو جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کا خیال آیا۔ ملکیادیس نے اسے منع کیا لیکن دو مقناطیسی ڈبوں اور نو آبادیاتی دور کے تین سکوں کے بدلے جوزے آرکیدو نے محدب عدسہ لے لیا۔ ارسلا دکھ سے رو پڑی۔ اس نے یہ سکے سونے کے سکوں سے بھرے صندوق سے نکالے تھے جو اس کے باپ نے غربت سے بھری پوری عمر میں اکٹھے کیے تھے۔"(۱۱)

کہانی کی ابتداء میں بستی میں اچانک ہی بے خوابی کا ایک مرض خاندان کے ایک فرد کو لاحق ہوتا ہے پھر پورے خاندان اور بچوں میں بھی پھیل جاتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ پوری بستی کو گھیر لیتا ہے۔ شروع میں لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کی وجہ سے ہم بہتر طور پر اپنے کام سرانجام دیں سکیں گے مگر پھر انہیں معلوم ہوتا کہ یہ مرض آہستہ آہستہ انکی یادداشت ختم کر دے گا، اس مرض سے نمٹنے کے لیے بستی کے سربراہ کرنل بوائندا نے تمام اشیاء کے نام، جگہوں کے نام تحریر کروانا شروع کر دیئے، اپنے جانوروں کو الگ رکھنے کے لیے انکے گلے میں گھنٹیاں باندھ دی گئیں اور دوسری کسی بستی سے آئے لوگوں کو یہاں سے گزرنے کی اجازت نہ دی جاتی کہ یہ مرض اس بستی سے باہر کسی کو متاثر نہ کر سکے۔ تمام رات پوری بستی آگ کے الاؤ کے گرد بیٹھتی اور قصے کہانیاں سنائے جاتے تاکہ وقت گزارا جا سکے کیونکہ یہ سب لوگ آگاہ تھے کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب یہ لوگ اپنا ماضی و حال سب فراموش کر بیٹھیں گے۔

ناول کا درمیانی حصہ کرنل آرلیانو بوئندا کی جنگی حکمت عملی، بغاوت، دوستی، دشمنی اور شجاعت جیسے عناصر سے بھرا ہوا ہے۔ کرنل اپنے نظریات کی خاطر اپنی جوانی، کئی جانثار دوست اور سترہ بیٹے قربان کرتا ہے۔ ناول کا آخری حصہ رومانس، ڈوبتی بستی اور بوئندا خاندان کے ویران گھر کا منظر پیش کرتا ہے۔ ارسلا کی زندگی میں بستی کو محفوظ اور آباد دکھایا گیا ہے، لیکن ارسلا کی وفات کے بعد نا صرف بوئندا خاندان بلکہ پوری بستی ویران ہو جاتی ہے۔ ارسلا کا کردار ناول میں مرکزی اور مضبوط کردار کے طور پر ابھرتا ہے۔ ناول کا ایک اور مرکزی کردار "کرنل آرلیانو بوئندا" کا ہے ۔ جو اپنی زندگی کے واقعات کو یاد کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ناول کی کہانی کسی ایک کردار کی نہیں بلکہ نسلوں کی کہانی ہے، ایک تنہا، اکیلے، اور زمانے سے بچھڑے ہوئے سماج کی کہانی جو تقریباً سو سال تک اکلاپے کا شکار رہتا ہے۔ اس کے

باسیوں میں ایک کرب سرایت کرتا ہوا گویا ناسور کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ناول کی ابتداء ہی میں کرنل کی یادوں کے ذریعے بستی کا جغرافیائی خدوخال کے ساتھ یاد رکھنا اور بستی کا پکھی والوں کا نئی ایجادات سے متعارف ہونے کا ایک منظر ملاحظہ کریں:

"برسوں بعد، فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑے کرنل آرلیانو بوئندا کے ذہن میں بھولی بسری وہ سہ پہر تھی۔ جب زندگی میں پہلی مرتبہ اس کا باپ اسے برف دکھانے لے گیا۔ اس زمانے دریا کے کنارے بیس گھروں کی بستی ماکوندو آباد تھی۔ شفاف پانی چمکدار پتھروں کے پاٹ میں بہتا رہتا۔ بے شمار سفید پتھر قدیم دور کے انڈوں کی طرح لگتے تھے۔۔۔ ہر سال مارچ کے مہینے ایک بھوکا ننگا پکھی واس قبیلہ بستی کے قریب اپنا ڈیرہ جماتا۔ نڑ اور مگرمان پہ نئی ایجادات کا مظاہرہ کرتا۔ پہلی مرتبہ وہ مقناطیس لائے۔ جانگلی داڑھی، چڑیوں کے پنجوں کے ہاتھوں والے ایک بھاری بھرکم پکھی واس نے لوگوں میں اس کا بہترین مظاہرہ کیا۔ اس نے خود ہی اسے مقدونیہ کے کیمیا گروں کا آٹھواں عجوبہ قرار دیا۔ اس کا نام ملکیادیس تھا۔ وہ دھات کے ٹکڑوں کو گھسیٹتا گھر گھر گیا اور اپنی اپنی جگہ سے دیگچیاں، کڑھائیاں، چمٹے، بکل اور انگیٹھیاں لڑھکتی دیکھ کر لوگ حیران رہ گئے۔ برسوں سے گم ہونے والی چیزیں جو تلاش کے باوجود نہ مل سکیں تھیں تمام ملکیادیس کے طلسمی ڈبوں کے پیچھے لڑھکتی گھسٹتی آرہی تھیں۔"(۱۲)

آرلیانو کا وفات سے قبل دوست کو یاد کرنا:

"پچھلے چند سالوں کی یادیں اسے جنگ کو محسوس کیے بغیر جنگ کے زمانے میں لے گئیں۔ اسے یاد آیا کہ کرنل گرنیلڈو نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے ایک ایسا گھوڑا خرید کر دے گا جس کے ماتھے پر سفید ستارہ ہوگا لیکن بعد میں اس نے دوبارہ کبھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ وہ یادوں کے جزیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہا۔"(۱۳)

ناول لبرل اور کنزرویٹو پارٹی کے درمیان موجود سیاسی کشمکش، انتخابی دھاندلیوں، ووٹ کی گنتی میں گڑبڑ، نوجوان ڈاکٹر کے لیے لالچی شرپسند مزاج چودہ سالہ پوتی کو جسم فروشی پر مجبور کرنے والی دولت کی پجاری دادی، ارسلا کی ایمان داری اور ایسے لاتعداد واقعات کا باہمی ربط ناول کے پلاٹ میں موجود وسعت اور تنوع کا نمائندہ ہے۔

ناول کی کہانی کسی ایک کردار کی نہیں بلکہ نسلوں کی کہانی ہے۔ایک تنہا اکیلے،لوگوں سے بچھڑے ہوئے سماج کی کہانی جو تقریباًایک سو سال تک تنہائی کا شکار رہتا ہے اور تنہائی کا یہ کرب اس کے باسیوں میں سرایت کرتا ہوا ناسور کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔اس میں کئی نسلوں تک پھیلی ہوئی تنہائی فقط "بوئند اخاندان "کا المیاتی بیان نہیں ہے، بلکہ کولمبیا کی مقامی ثقافتوں کا منظر نامہ بناتی اور تہذیبوں کے عروج و زوال کا بیانیہ دہراتی ہے جو جدید وقدیم دنیا کے نایاب منظر نامے کو ایک خوبصورت اسلوب کے ذریعے دنیا سے متعارف کراتی ہے۔کہانی کے واقعات پر یقیناً گارشیا کی گرفت مضبوط ہے لیکن ان کو بڑھانے میں نو آبادیاتی سماج کی سیاسی اور سماجی صورتحال کو بھی بڑا دخل ہے جس نے لاطینی امریکہ میں پوسٹ کالونیل حالات کو تاریخ کے دھارے میں شامل کر دیا۔کولمبیا کی قدیم وپسماندہ بستی 'ماکوندو'پوسٹ کالونیل بستیوں کی طرح تمام مسائل کو جھیلتی ہے۔جنگ ،خانہ جنگی ڈرگ مافیااور کلچرل تشدد جیسے عناصر "یونائٹڈ فروٹ کمپنی" کے ذریعے پیدا کیے گئے۔یہ عناصر سماج کو بے کار اور لاغر کر دیتے ہیں۔

> "بنانا کمپنی کی آمد کے ساتھ ہی مقامی انتظامیہ کی جگہ تشدد پسند غیر ملکیوں نے ماکوندو کا انتظام سنبھال لیا۔مسٹر براؤن نے انہیں بجلی کی رو کے تاروں کے اندر رکھا ہوا تھا تاکہ وہ اس بڑے اعزاز سے لطف اندوز ہوں اور انہیں انکے سٹیٹس کے مطابق یہ اعزاز ملتا کہ وہ مچھر، گرمی اور دوسرے بے انتہا مسائل کا شکار نہ ہوں۔بوڑھے سپاہیوں کی جگہ بڑی بڑی مونچھوں والے کرائے کے قاتلوں نے لے لی۔۔۔ان دنوں ایک بھولے بسرے کرنل میگفیسکو وزبل کا بھائی اپنے سات سالہ پوتے کو چوک میں جوس پلانے لایا۔بدقسمتی سے بچہ ایک سپاہی سے ٹکرایااور بچے کے ہاتھ سے جوس ایک سپاہی کی یونیفارم پر گر گیا۔اس جانگلی نے بچے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے دادا نے اسے روکنے کی کوشش کی تو اس کا سر ایک ہی جھٹکے میں تن سے جدا کر دیا۔پوری بستی نے وہ کٹا ہوا سر دیکھا۔قریب سے گزرتے ہوئے لوگ اسے گھر چھوڑ آئے اور ایک عورت سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی جا رہی تھی۔بچے کے ٹکڑے ایک تھیلے میں بند تھے۔"۱۴

اس ناول میں بتایا گیا ہے کہ بڑھتے ہوئے ظلم کے ساتھ ساتھ ماکوندو بستی کے باشندوں کو یادداشت اور بے خوابی جیسے مرض لاحق ہوئے۔تہذیبوں کے ساتھ یہ وبائیں وہاں سے شروع ہوتی ہیں جہاں سے چیزیں پیچیدگیوں سے گزرتی بظاہر سیدھی سادھی دکھائی دیتی ہیں مگر دھیرے دھیرے چیزوں کی بہتات اور معلومات کی فراوانی وباء کی صورت میں انسانی معاملات اور یادداشتوں پر اثر انداز ہونے لگتی ہیں۔انسان کی اندرونی تنہائی ان کی یادداشت تک چھین لیتی ہے۔

"ویستاکان نے بتایا کہ اس بیماری کا محض المیہ یہ نہیں ہے کہ نیند نہیں آتی بلکہ جسمانی تھکن کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اگر اس کا علاج نہ ہو تو آہستہ آہستہ یادداشت ختم ہو جاتی ہے۔شاید وہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ بیمار آدمی پہلے بے خوابی میں مبتلا ہوتا ہے پھر بچپن کی یادداشت اس کے ذہن سے محو ہو جاتی ہے پھر اشیاء کے نام اور ان کی تصویریں ذہن سے مٹنے لگتی ہیں پھر لوگوں کی شناخت ختم ہوتی ہے۔بلاخر اسکی اپنی ذات کی آگہی نہیں رہتی۔وہ ایک ایسا انسان رہ جاتا ہے۔ایسی کیفیت میں ڈوب جاتا ہے جس کا کوئی ماضی نہیں ہوتا۔"(۱۵)

"ملکیادیس"اپنے علم کی تنہائی کا شکار تھا۔اس کے تحریر شدہ کاغذوں میں ایک نسل کی عملی زندگی کا ریکارڈ محفوظ تھا ۔جسے سب سے پہلے پیٹر و کرپسی یعنی رابیکا اور امرانتا کا عاشق پڑھتا ہے اور بعدازاں اس نسل کا آخری فرد بھی پڑھ لیتا ہے اور اپنے انجام سے آگاہ کمرے میں مقید ہو کر موت کا انتظار کرتا ہے۔تنہائی ایک ایسا عنصر ہے جس کا شکار بہت سی نسلیں ہوتی ہیں جس میں علم، بھوک، حرص و ہوس اور اقتدار کی تنہائی بھی شامل ہے۔گارشیامارکیز مقامی لوگوں کی قصہ گوئی کی روایت کے ذریعے جدید دور کے معاشرتی زوال کو پیش کرنے میں یقینی طور پر کامیاب رہا۔

"دستاویز کا آخری صفحہ پڑھتے ہوئے یوں لگا جیسے وہ کسی بولتے آئینے کے سامنے ہو۔پھر وہ اپنی موت کے حالات اور وقت کی پیش گوئی کے صفحات کی طرف بڑھ گیا۔آخری سطر تک پہنچنے سے قبل وہ سمجھ چکا تھا کہ وہ آخری سانس تک اس کمرے سے باہر نہیں نکلے گا۔یہ بھی پیشن گوئی تھی کہ آئینوں کے شہر کو تیز ہوئیں اپنی لپیٹ میں لے لیں گی ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ بستی لوگوں کے ذہن سے نکل جائے گی۔۔۔اسے یقین ہو گیا کہ یہ واقعات دوبارہ وقوع پذیر نہیں ہو سکتے کیونکہ جو نسلیں ایک سو سال کی تنہائی کا شکار ہو جائیں ۔انہیں اس دھرتی پر زندہ ہونے کا دوبارہ موقع نہیں ملتا۔"(۱۶)

ناول کی فضا پرانے بوسیدہ، لاتعلق اور زوال آمادہ تنہائی جیسے عناصر سے بوجھل ہے۔مارکیز نے کولمبیا کی گلیوں، محلوں کوچوں، کتابوں اور اخباروں سے وہاں کا تشدد زدہ کلچر، روزمرہ زندگی کے واقعات اور خون خرابے سے بھرپور قصوں کو بیان کیا ہے۔غیر معمولی طور پر یہ قصے حقیقی اور جیتی جاگتی زندگی کا حصہ بن جاتے ہیں۔زندہ معاشرہ تباہ و برباد ہوتے شہر میں دکھائی دیتا ہے۔اس ناول میں مکالمے کم جبکہ واقعات کا تسلسل اور بہاؤ ماکوندہ بستی کے گرد پھیلتی تنہائی کو شدت سے اُبھارتا ہے۔اس ناول کا منظر نامہ ہنگاموں، تشدد، لوٹ مار اور جنگ کے واقعات کی تنہائی سے بھرا پڑا ہے۔ جوہر

طرح کی تبدیلی سے نبرد آزما ہونے کے باوجود فرد کی داخلی تنہائی کے احساس سے لبالب بھری ہوئی ہے۔افراد کی زندگی میں خالی پن، لایعنی پن اور تنہائی کے خالی پن کو بھرنے کے لیے ناول کے کرداروں کے پاس جنسی عمل کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔ بوئندا خاندان جو کہ تنہائی کا شکار ہو کر اپنے ہی خونی رشتوں کے مابین حدود قیود کو پھلانگ کر آپس میں جنسی تعلقات استوار کرتے ہیں اور بلآخر زوال کا شکار ہوتے ہیں۔ بوئندا خاندان میں سب سے پہلے آرکیدو اپنی منہ بولی بہن اربیکا کے ساتھ ناجائز تعلق قائم کرتا ہے، پھر اسکی بہن امرانتا اپنے بھتیجے آرلیانو جوزے کے ساتھ جنسی تعلق رکھتی ہے۔ وہ تمام عمر بہت سے چاہنے والوں کے باوجود شادی نہیں کرتی آرلیانو سگندو اپنی خالہ امرانتا ارسلا سے ناجائز تعلقات قائم کرتا ہے اور ان کے ہاں سور کی دم والا ایک بچہ پیدا ہوتا یعنی ارسلا اور جوزے آرکیدو کا خاندان جس حقیقت سے نظر چرا رہا تھا بلآخر اسکا سامنا ان کی اپنی چوتھی نسل کو کرنا پڑا اور بوئندا کی نسل کے ساتھ مارکیز کی کہانی بھی اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔

"ناڑ کاٹنے کے بعد دائی نے بچے کے بدن پر لتھڑے نیلے رنگ کے مادے کو صاف کرنا شروع کیا۔ آرلیانو لیمپ لیے ساتھ کھڑا تھا۔ جب انہوں نے بچے کو الٹا کیا تو عام انسانوں کی نسبت بچے کا ایک عضو زیادہ تھا۔ بچے کے پیچھے سور کی سی دم تھی۔"(۱۷)

ماکوندو نام کی بستی سو سال کے عرصہ میں پہلے ایک بستی سے چھوٹے سے قصبے پھر بڑے گاؤں اور آخر شہر تک کی منازل طے کرتی ہے۔ بوئندا خاندان ریل سے لیکر جہاز تک کے مراحل سے گزرتی ہوئی تنہائی کا شکار ہوتی ہے اور آخر کار مر جاتی ہے۔ تین چار نسلوں کی وراثت جس کی ابتدا سور کی دم سے ہوتی ہے اسی پر اپنے اختتام کو پہنچتی ہے جسے دیمک نما کیڑے گھسیٹ کر بِل میں لے جاتے ہیں۔

ناول کے کردار تاریخ کے گزرتے ادوار کے نمائندہ ہیں۔ وہ کسی ایک دور میں نہیں رہتے بلکہ تاریخ انہیں مختلف ادوار میں کھوج لیتی ہے۔ مارکیز کے تخلیق کردہ یہ کردار مغالطوں اور جہالت کے پروردہ ہیں جو دیومالائی دنیا کو ماننے والے ہیں۔ وہ ناول کی فضا کو مختلف عناصر یعنی صبر، مزاح اور تشکیک سے باندھتا ہے جو کہ کولمبیا کے مقامی لوگوں کا انداز ہے۔ قاری ان چیزوں اور باتوں پر غور کیے بنا نہیں رہ سکتا۔ ایک اقتباس پڑھیں:

"بارش چار سال، گیارہ مہینے اور دو دن جاری رہی اس دوران وقفہ ہوتا تو پھوہار برستی رہتی۔ ہر ایک اپنا مکمل لباس پہنتا اور بادل ہٹنے کی چس کو بھی خوشی نظر سے دیکھتا۔ اس وقفے کے بعد پھر زیادہ بارش شروع ہو جاتی۔ آسمان سے آنے والے تباہ کن طوفانوں کے

اپنے انداز تھے۔اتر سے طوفان بادو باراں آتا۔ چھتیں اڑ جاتیں۔گھروں کی دیواریں بیٹھ جاتیں۔ کیلوں کے کھیت سے پودے جڑ سے اکھڑ جاتے۔"(۱۸)

مارکیز اپنے ناول میں علامتوں کا استعمال کرتا ہے اور اپنے منفرد طرز نگارش سے وہ معاشرے کی کج رویوں اور ضعیف العقیدہ نظریات پر کھل کر چوٹ کرتا ہے۔ جادوئیت سے حقیقی طرز استدلال جیسے عناصر کی بدولت وہ کہانی میں ایک خاص طرز کی جاذبیت اور تاثر پیدا کر دیتا ہے۔اشو لال لکھتے ہیں:

"اور نٹیل ابہام اور مردہ خاموشی" جیسی اصطلاحوں اور پروپیگنڈے کے تواتر سے مغرب جس حقیقت نگاری کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے ۔۔۔اصل میں وہ بہت سی حقیقتوں سے گریز ہے۔۔۔جو اس محاورے میں جگہ نہیں پاتی جو مشرقی معاشروں میں روز کا یقین ہے۔۔۔ محیر العقول واقعات، چھ ٹانگوں والی گائیں، سور کی دم والے بچے ان سب سے وابستہ شگون اور نشانیوں کی معنویت انڈین Cultural Unconscious کا صدیوں سے حصہ ہے۔۔۔اپنی دعاؤں، وباؤں، معجزوں سمیت چیچک کا "ماتا" کے طور پر احترام واقعی حیران کن ہے۔۔۔ مقامی ثقافتیں واقعات کی جس تنہائی کا شکار ہوئی ہیں، لاطینی امریکی ادیبوں نے اس تک رسائی پالی ہے۔"(۱۹)

مارکیز نے اپنے ناول میں روز مرہ زندگی کے مختلف معجزوں کو تاریخ کے مختلف پہلوؤں کے ساتھ منسلک کر کے سبق آموز کہانیوں اور نفسیات کی حقیقت پسندی کو بنیاد بنا کر پیش کیا ہے۔ وہ اس خاندان کے جنسی تعلقات کو تخلیقی ہنر کاری کے طفیل ایک اسطور کی شکل میں ڈھال کر پیش کرتا ہے۔انہوں نے عمومی زندگی اور اس سے جڑے رویوں کے معمولی اور چھوٹے پہلوؤں کو غیر معمولی وسعت دے کر عالمی بستی کی حقیقت بنا دیا ہے۔ فلیش بیک تکنیک سے جہاں وہ ناول کو دلچسپ بناتا ہے وہیں کرداروں کی ناسٹلجیا کی کیفیت قاری کو بھی محسوس ہوتی ہے۔غلام شبیر رانا لکھتے ہیں:

"گیبریئل گارشیا مارکیز ناول اور افسانے کی طلسمی حقیقت نگاری کی اقلیم کا بے تاج بادشاہ تھا۔اس اقلیم میں اس کی عظمتِ فکر کا ڈنکا بجتا رہے گا اور اس کے اسلوب کا سکہ چلتا رہے گا ۔ قارئینِ ادب اس کی کتابوں کا مطالعہ کر کے اس کی فکر و خیال کی جولانیوں، اشہب قلم کی روانیوں اور بصیرت و وجدان کی بے کرانیوں میں کھو جائیں گے ۔اس کے مداح خوابوں میں بھی اس کے ابد آشنا تصورات، روح پرور خیالات اور یادوں کے طلسمات سے دلوں کو آباد رکھیں گے۔"(۲۰)

گیبرئیل گارشیامارکیز ناول نگاری کے میدان میں نمایاں مقام کے حامل ادیب جنہوں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے اپنے معاشرے کی سماجی وسیاسی زندگی اور انسانی نفسیات اور کیفیات کو کمال ہنر مندی سے واقعات کے تانے بانے سے پیش کیا ہے۔ ناول "تنہائی کے سو سال" میں نہ صرف کولمبیا کے مقامی باشندوں کی روزمرہ زندگی کے کئی پہلوؤں جن میں اساطیری روایت، عقائد، شگون اور قیاس آرائیوں کو پیش کیا ہے بلکہ مافوق الفطرت عناصر کے ذریعے کہانی کے بیانیہ میں فینٹسی کا رنگ بھی شامل ہے۔ ان کی تخلیقات نے عالمی فکر و ادب میں آگاہی کے کئی در وا کیے۔ انہوں نے قاری کو حیرت انگیز حقیقتوں کا ادراک بخشا۔ ان کی ادبی تحریریں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ امجد اسلام، امجد، گیبریل گارشیامارکیز، روزنامہ ایکسپریس نیوز، اتوار ۲۰ اپریل ۲۰۱۴ء

۲۔ خالد جاوید، گابرئیل گارسیامارکیز، کراچی، پبلشرز، شہرزاد، ۲۰۱۰، ص ۶۴

۳۔ اجمل کمال، (مترجم) امرود کی مہک، دنیا، کراچی، ۱۱تا۱۷ نومبر ۲۰۱۲ء، ص ۱۱

۴۔ گیبرئیل گارسیامارکیز، تنہائی کے سو سال، ڈاکٹر نعیم کلاسرا، (مترجم)، لاہور، پبلشرز، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۱، ص ۱۶۵-۱۶۶

۵۔ https://dunya.com.pk/index.php/special-feature/2014-05-28/9257

۶۔ اجمل کمال، (مترجم) امرود کی مہک، دنیا، کراچی، ۲۵ نومبر تا یکم دسمبر، ۲۰۱۲، ص ۲۰

۷۔ https://www.aikrozan.com/gabriel-garcia-marquez-urdu-translation/

۸۔ گیبرئیل گارسیا مارکیز، (مکالمات، تخلیقات اور تنقیدات)، سیدہ عطیہ، (مرتبہ)، کراچی، پبلشرز، بک ٹائم، ۲۰۱۵، ص ۸

۹۔ ایضاً، ص: ۲۲۹

۱۰۔ گیبرئیل گارسیامارکیز، تنہائی کے سو سال، ڈاکٹر نعیم کلاسرا، (مترجم)، لاہور، پبلشرز، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۱، ص ۶

۱۱۔ ایضاً: ص: ۱۴
۱۲۔ ایضاً، ص: ۱۳
۱۳۔ ایضاً، ص؛ ۲۵۶
۱۴۔ ایضاً، ص: ۲۳۱
۱۵۔ ایضاً، ص: ۴۷
۱۶۔ ایضاً: ص: ۳۸۴
۱۷۔ ایضاً، ص: ۳۸۰
۱۸۔ ایضاً، ص: ۲۹۹
۱۹۔ ایضاً، ص: ۱۰
۲۰۔ گیبرئیل گارسیا مارکیز، (مکالمات، تخلیقات اور تنقیدات)، سیدہ عطیہ، (مرتبہ) کراچی، پبلشرز، بک ٹائم
۲۰۱۵ء ص ۶۵-۶۶